قینچی

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میرے والدِ محترم بیماری کی وجہ سے رات کا بیشتر حصہ جاگ کر گزارتے تھے۔اس وقت میں بہت چھوٹا تھا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنے والد کی کتابوں سے ورق پھاڑ کر ان سے جہاز بناتا اور انھیں گھر کے برآمدے میں اڑاتا پھرتا تھا۔کبھی کبھی کتابوں کے یہ اوراق کرنسی نوٹ بنانے کے بھی کام آتے تھے۔والد صاحب مطالعے سے اکتا جاتے تو ٹیپ ریکارڈر پر موسیقی سنتے۔وہ کوئی بہت اچھی رات تھی جب ایک آواز ہوا کی لہروں پر تیرتی ہوئی میرے کانوں سے ٹکرائی اور دل میں اتر گئی۔یہ کسی باقاعدہ گلوکار کی آواز نہ تھی بلکہ دور کسی پہاڑی پر کوئی گوجری اور ہندکو کے ملے جلے لہجے میں کوئی لوک گیت گا رہا تھا اور اس کے قریب موجود اس کا ساتھی 'ہائے ہائے' کی ڈوبی ڈوبی صدا میں کچھ اس طرح داد دے رہا تھا کہ مجھے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔میں والد صاحب کے پاس جا بیٹھا اور اس لوک گیت کا رس اپنے اندر اتارنے لگا۔والد صاحب نے میرا انہماک دیکھا تو پوچھا کہ تم جانتے ہو یہ آدمی کیا گا رہا ہے۔میں نے کہا میں جانتا تو نہیں لیکن اس آدمی کی آواز میں کچھ ایسا درد ہے کہ مجھے اس کی آواز اپنی طرف کھینچ لائی ہے۔والد صاحب نے بتایا کہ یہ شخص 'قینچی' گا رہا ہے۔مجھے اُس وقت اِس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ وہ کیا گا رہا ہے لیکن بڑی مدت کے بعد جب قینچی سے وابستہ داستان کے بکھرے ہوئے کچھ ٹکڑے کہیں سے میرے ہاتھ لگے تو بچپن میں سنا ہوا لوک گیت میرے اندر سے اس طرح طلوع ہونے لگا جیسے کئی دنوں کی بارش کے بعد کسی بھیگی ہوئی بستی میں سورج نکلتا ہے۔

وہ جو محمد حنیف نے کہا تھا:

''قینچی کے ایک ایک لفظ میں مجاہد کا دل دھڑکتا ہے۔شاعر اپنی شاعرانہ قوتِ امتزاج یعنی تخیل کی بدولت نوعِ انسانی کی ساری قوتوں کو ایک دوسری سے آمیز کر کے ایک وحدت میں تبدیل کر دیتا ہے۔یہی کام احمد حسین مجاہد نے قینچی لکھ کر کیا ہے۔یہ داستان محبت ٹکڑوں کی شکل میں پہلے سے موجود تھی، احمد حسین مجاہد نے اسے نئے سرے سے لکھا، ایک نئی زندگی دی۔اس نے قینچی تین چار سال کی محنت سے نہیں لکھی بلکہ اس نے یہ داستان پچاس سالوں تک اپنے اندر پالے رکھی، تب کہیں جا کر یہ عالمِ وجود میں آئی۔قینچی ہندکو زبان کی ہیر ہے، قینچی کے ذریعے ہندکو زبان نے ایک بلند جست بھری ہے اور اس کا سارا ثواب مجاہد کے لیے رزقِ حلال ہے۔''

قینچی کو میں نے واقعی ایک مدت تک اپنے اندر پالے رکھا۔پھر یوں ہوا کہ میرے دوست راجہ اظہر علی خان نے، جو محکمۂ جنگلات میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے، ایک دن 'شڑ اں' جانے کی دعوت دی۔دس بارہ افراد پر مشتمل دوستوں کا قافلہ جب 'شڑ اں' پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔ہمارے لیے وہ رات 'سوتے جاگتے کا قصہ' بن گئی تھی۔صبح ہم دیر سے جاگے، برنچ کیا اور 'شڑ اں' سے تھوڑا سا آگے ایک اور چھوٹی سی بستی میں جا پہنچے۔اظہر علی خان نے بتایا کہ یہ 'درشی کا بن' ہے۔یہ نام سنتے ہی بچپن میں سنی ہوئی 'قینچی' کے بول فضا میں بھر گئے

۔اظہر بتا رہا تھا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں 'قینچی' سے وابستہ داستانِ محبت نے جنم لیا تھا۔ وہ بولتا جا رہا تھا لیکن مجھے اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، میرے کانوں میں تو ایک اور ہی رس گھلا ہوا تھا۔ درشی کا بن اپنی وجاہت کے سارے اسرار لیے میرے سامنے تھا۔ مجھے حلیمہ کی سسکیاں، منشی کی بے انت خاموشی، حلیمہ کی دل جوئی میں مصروف شہ گندل کی سرگوشیاں، درشی کے نوجوانوں کی دہاڑیں اور بزرگوں کی حکمت بھری گفتگو، سب کچھ صاف سنائی دے رہا تھا۔ محبت کے مندر کی مورت حلیمہ کا بھرپور سراپا ہر درخت کی اوٹ سے اپنی جھلک دکھا رہا تھا۔ سر اٹھاتا تھا تو اوپر 'موسیٰ کا مصلیٰ' دکھائی دیتا تھا جہاں برف پڑی ہوئی تھی اور دور تک دیودار کے پیڑ تھے۔ میں وہاں سے لوٹا تو اپنے ساتھ وہ جستجو لے کر آیا جس نے آخرِ کار ہندکو زبان کی پہلی مثنوی کی شکل میں ظہور کیا مگر 'قینچی' کے ظہور تک مجھ پر جو بیتی وہ میں ہی جانتا ہوں۔

اس دوران میں خوش قسمتی سے میرا تبادلہ مظفر آباد ہوا اور مزید خوش قسمتی یہ کہ وہاں کچھ ایسے لوگوں سے ملاقات رہی جو 'قینچی' کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتے تھے۔ میری برسوں کی جستجو رنگ لائی اور 'قینچی' کی داستان کے بکھرے ہوئے ٹکڑے آپس میں ملنے لگے اور یوں کہانی آہستہ آہستہ مکمل ہونے لگی۔ اسی دوران میں مجھ پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ منشی 'درشی' سے نکل گیا تھا یا نکال دیا گیا تھا اور یہ جو قینچی کے لوک گیت میں منشی کی موت یا قتل کا جو دکھڑا 'حلیمہ' بیان کرتی ہے اس کی وجوہات کچھ اور ہیں۔ لوک گیتوں کا ایک بڑا وصف یا المیہ یہ بھی ہے کہ اس میں موزوں طبع افراد اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ قینچی کے حوالے سے ان من پسند اضافوں نے صورتِ حال کو اس وقت مزید خراب کر دیا جب کہانی بیان کرنے والوں نے لوک گیت کے اضافہ شدہ حصوں کو بنیاد بنا کر کہانی بیان کرنے کی کوشش کی۔ کہانی کے ان فرضی حصوں کو کہانی سے الگ کرنا ایک بڑا دشوار کام تھا لیکن مظفر آباد میں اپنے قیام کے دوران میں مجھے یہ کام کرنے میں خاصی سہولت رہی۔

قینچی

احمد حسین مجاہد کی قینچی پہلی ہندکو منظوم رومانوی داستان تو ہے ہی لیکن اس کا مخصوص صوفیانہ اسلوب پڑھنے سننے والوں پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ یہ اس کی شخصیت کے تحیر زا کا تیسرا روپ ہے۔ یوں لگتا ہے وارث شاہ کی طرح وہ بھی اس کہانی کا مرکزی کردار ہو۔

عقیدہ مانع ہے ورنہ میں تو یہ بھی کہنے پر تیار ہوں کہ شاید وہ اپنے پہلے کسی جنم میں منشی ضیاالدین رہا ہوگا جو اب نئے روپ میں ایک بار پھر اپنے عشقِ لاحاصل، اپنے مقصود کی تلاش میں نکلا ہے۔ مقصود کب کسی کو ملتا ہے۔ بے شناخت کمی ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ تلاش و جستجو کا

عمل مسلسل جاری رہتا ہے اور عظیم ہیں وہ لوگ جنھوں نے نہ صرف رستے بنائے بلکہ ان پر سنگِ میل نصب کر کے آنے والوں کی رہنمائی کی۔احمد حسین مجاہد کا شمار انھی تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جن کی ساری زندگی دوسروں کے لیے دیے جلاتے گزری ہے۔اس نے ہندکو اور اردو دونوں زبانوں کو خاصا متمول کیا ہے۔قینچی نے اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں کم ہی کوئی پہنچتا ہے۔وہ صحیح معنوں میں ہندکو کا وارث شاہ ہے۔

(ڈاکٹر ضیأ الرشید)

احمد حسین مجاہد کی ہندکو شاعری اپنی تہذیبی اور ثقافتی روایات کے اعتبار سے نہ صرف ہزارہ اور کشمیر کا احاطہ کرتی ہے بلکہ ہندکو بولنے والوں کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔مجاہد کا تعلق بالاکوٹ کے سبزہ زاروں سے ہے اور اس کی یہ نسبت جہاں اس کے تخلیقی تخیل کو ہر لمحہ متحرک رکھتی ہے وہاں اس کی شاعری میں وہی سوز و گداز بھی فعال نظر آتا ہے جو دور پہاڑی سلسلوں سے گونج کی صورت میں ہم تک پہنچتا ہے۔احمد کی قینچی اس حقیقت کی بہترین ترجمان ہے۔

(امان اللہ خان امانؔ)

احمد حسین مجاہد نے جس فنی مجاہدے کے ساتھ اس لوک کہانی کو پوری تحقیق کے بعد ایک نئے انداز میں کتابی کی شکل میں محفوظ کیا ہے یہ انھی کا حصہ ہے۔انھوں نے ماں بولی کا حق ادا کیا ہے۔قینچی جہاں احمد حسین مجاہد کے اعلیٰ علمی و ادبی مقام،فکری ترفع اور ندرتِ زبان کا شاندار نمونہ ہے وہیں یہ انسانی زندگی سے وابستہ کئی حوالوں کا دل پذیر مرقع بھی ہے۔

(عبدالوحید بسملؔ)

قینچی داستان کو احمد حسین مجاہد نے زندہ اور امر کر دیا ہے۔اس کے کردار منشی،حلیمہ اور شہ گندل مجاہد کے قلم کے آبِ حیات سے جاوداں ہو گئے ہیں۔اس داستان کے کئی موڑ مجھے اپنی یا کسی بھی اور کی زندگی سے بہت قریب لگے۔محبت کا خوب صورت جذبہ چاہے کسی دیہاتی دوشیزہ کو اپنا اسیر کرے یا شہر کی کسی لڑکی کو،اس کے اسرار و رموز ایک سے ہوتے ہیں۔قینچی پڑھتے ہوئے مجھے بارہا خود پر حلیمہ کا گماں گزرا۔

(راشدہ ماہین ملک)

قینچی کے ایک ایک لفظ میں مجاہد کا دل دھڑکتا ہے۔شاعر اپنی شاعرانہ قوتِ امتزاج یعنی تخیل کی بدولت نوعِ انسانی کی ساری

قوتوں کوایک دوسری سے آمیز کر کے ایک وحدت میں تبدیل کر دیتا ہے۔یہی کام احمد حسین مجاہد نے قینچی لکھ کر کیا ہے۔ یہ داستانِ محبت ٹکڑوں کی شکل میں پہلے سے موجود تھی، احمد حسین مجاہد نے اسے نئے سرے سے لکھا، ایک نئی زندگی دی۔اس نے قینچی تین چار سال کی محنت سے نہیں لکھی بلکہ اس نے یہ داستان پچاس سالوں تک اپنے اندر پالے رکھی، تب کہیں جا کر یہ عالمِ وجود میں آئی۔قینچی ہندکو زبان کی ہیر ہے،قینچی کے ذریعے ہندکو زبان نے ایک بلند جست بھری ہے اوراس کا سارا ثواب مجاہد کے لیے رزقِ حلال ہے۔

(محمد حنیف)

میں سمجھتا ہوں کہ قینچی پچاس سال سے زائد مدت تک مجاہد کے باطن میں کہیں انگڑائیاں لیتی رہی ہے۔اس میں وہ تمام روایت موجود ہے جو ہزار ہا سال پرانی ہندکو کی روایت ہے۔جس خوب صورتی سے مجاہد نے یہ داستان قلم بند کی ہے اس نے اس روح کو متاثر نہیں ہونے دیا، جس کے لیے مجاہد ہر طرح کی تحسین اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(واحد سراج)

مجاہد کو پراسرار سے بڑی گہری دل چسپی ہے۔اگر ہم اس کی اردو شاعری پر نظر ڈالیں تو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے موضوعات بڑے پراسرار ہیں۔مجاہد اگر کائنات میں بھی کہیں چہل قدمی کر رہا ہو وہ یقیناً ایسی جگہ ہوگی جو ابھی تک سائنس دانوں کی دست رس میں نہیں آئی ہوگی۔قینچی بھی مجاہد کی پراسرار تصنیف ہے۔

(ڈاکٹر عامر سہیل)

اگرچہ احمد حسین مجاہد نے اردو میں بڑا نام اور مقام کمایا ہے لیکن قینچی کے توسط سے ان کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

(سلطان سکون)

میں نہیں کہہ سکتا کہ منشی قتل ہو گیا تھا یا جل گیا تھا لیکن میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ حلیمہ جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ یہ کتاب آپ ضرور پڑھیے، اگر آپ نے یہ کتاب نہ پڑھی تو یہ بہت بڑی محرومی ہوگی۔ یہ اسی طرح کی محرومی ہوگی جیسے آپ پنجابی جانتے ہوئے ہیر وارث شاہ کے مطالعے سے محروم رہ جائیں۔

(پروفیسر صوفی عبدالرشید)

جذبوں کی زیریں دھیمی آنچ سے لبریز' قینچی' پرت در پرت ایک ایسی dynamic painting ہے، جس میں تمام رنگ اور

ان کا شاہکار امتزاج اس حسین دھرتی سے از خود کشید ہوا ہے، جس کے سینے میں آگ دہک رہی ہے اور اس کے اوپر انسان کا دل دھڑک رہا ہے۔ جس کے سب سے اونچے پربت کی چوٹی پر برف کے درب پڑتے ہیں اور کبھی کوئی لَو بھی دمک اٹھتی ہے۔ درشی کے بن میں جہاں دیاروں کی چھاؤں سلگتی ہے، بگیر کا جنگل ہے جہاں سرخ 'راں ٹُل' کھلتے ہیں، سحر انگیز جھیل ہے جس کے نیلے پانی کی سطح پر اجلی چاندنی کا پراسرار سکوت تیرتا ہے، برفیلی کالی راتیں ہیں جن میں الاؤ بھڑک اٹھتے ہیں۔۔۔ سرد ہواؤں کی لہروں پر پل بھر کے لیے بانسری کی دل گداز لے ابھرتی ہے اور کہیں دور نیلم کے کنارے پڑے ہوئے پتھر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ قینچی بحیثیتِ شاہکار تخلیق اپنی جگہ صحیح معنوں میں composed ہے اور احمد حسین مجاہد نے تو بات مکمل کر دی کہ محبت کے قصے کی کچھ انتہا نہیں۔ احمد حسین مجاہد نے ایک ارفع موسیقار کی طرح اختتامی سُر ہواؤں میں اچھال دیے ہیں، جس کا جی چاہے پالے۔

(سید پرویز حیدر، تلہ گنگ)

جس دن بھری دوپہر میں بارش ہو رہی تھی، میں نے قینچی سے رومینس شروع کر ہی دیا اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ایک تو داستان دل چسپ و دل کش پھر احمد حسین مجاہد کا کمالِ فن، شعر کی بجائے خوب صورت پینٹنگز کے ذریعے کہانی کو آگے بڑھایا جا رہا ہو تو ایک بار پھر سماعتیں اور بصارتیں گروی رکھنا پڑتی ہیں۔ یوں جانئے کہ احمد حسین مجاہد پڑھنے اور ڈوب کر پڑھنے والوں کو یرغمال بنا لیتا ہے۔ پھر موسم خوش گوار ہو، پھوار پڑ رہی ہو اور دل حلیمہ کے ساتھ ہی کھڑکی سے ہٹ کر آیئنہ کے سامنے آ کھڑا ہو کر اسی کے کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہہ اٹھتا ہے:

بنڑاں نچ کدے ایہجی بارش نینھ ہوئی

کدے رات اس طرحاں ہس کے نینھ روئی

احمد حسین مجاہد نے یقیناً ہزارے کے لوک ورثے کو ایک نئی زندگی دی ہے۔ لوک گیت میں قینچی دلوں کو کاٹتی ہے اور یہ داستان دل کے ساتھ ساتھ روح کو بھی وہی سرشاری عطا کرتی ہے جو درد بھرے گیت سن کر ملتی ہے۔

(ناصر علی سید۔ روزنامہ آج، ۲۹ جون ۲۰۱۷ء)

احمد حسین مجاہد نے اپنی کتاب 'قینچی' میں ایک لوک داستان کو منظوم شکل میں پیش کیا ہے۔ قینچی ایک لوک گیت کے طور پر عوام الناس میں مشہور ہے لیکن اس لوک گیت کا تعلق عشق و محبت کی ایک داستان سے ہے۔ کشمیر کی وادیِ نیلم اور ہزارہ کی وادیِ کاغان کے رہنے والے اسے اپنے اپنے علاقے کی داستان سمجھتے ہیں۔ جو بھی ہو اس داستان کا جنم ایک پہاڑی علاقے میں ہوا ہے۔ احمد حسین مجاہد اردو اور ہندکو کے معروف شاعر ہیں۔ قینچی میں ہزارہ کی تہذیب و تمدن، لوگوں کا اندازِ بود و باش اور طرزِ فکر یعنی ہزارہ کی مکمل فضا موجود ہے۔ یہ کتاب ہندکو ادب کا ایک گراں بہا سرمایہ ہے۔

(سید ماجد شاہ، کے ٹو ٹی وی کے پروگرام 'یک کتاب ہزارے دی' سے اقتباس)

قینچی دراصل ایک لوک گیت ہے جسے آب شاروں اور جھرنوں کے پاکیزہ بہاؤ میں انگڑائیاں لیتے ہوئے شنن شنن کے مدھر سروں میں گایا جاتا ہے مگر اس گیت کے پس منظر میں وادیِ کاغان کے مضافات میں جنم لینے والی محبت کی ایک لازوال داستان ہے۔ احمد حسین مجاہد تیشۂ مجنوں تھامے کسی نامعلوم سمت کو چل دیا اور بالآخر ماضی کے کھنڈرات میں جا پہنچا۔ اپنی شبانہ روز محنت اور مجاہدانہ اوصاف کی بدولت اس نے محبت کی اس داستان کو کھوج نکالا مگر یہ مردہ حالت میں تھی۔ مجاہد نے پئے مراقبہ اپنی متحیر کو آہستگی سے بند کیا اور اپنے لبوں کو ھوالادب کے اسمِ اعظم سے جنبش دی۔ اسی وظیفے میں کئی سال گزر گئے۔ بالآخر بارگاہِ ایزدی سے 'نفخت' کی آواز آئی تو مجاہد نے اس داستان پر پورے وجدان سے پھونک ماری تو وہ جی اٹھی اور ایک کتاب کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی۔ مجاہد نے ہزارہ کی ثقافت کو آبِ حیات پلا کر مٹی کا قرض ادا کر دیا ہے۔

(شہیر تہامی)

قینچی سرسبز چراگاہوں کی سرزمین ہے جس میں ٹہلتے وقت قاری مناظر کی جاذب النظری اور چراگاہوں کی ہریالی، آب شاروں کی پھوار، چنگھاڑتے دریاؤں سے لطف اندوز ہونے کے بعد ایسے معلق چٹانوں بھرے راستے سے گزرتا ہے جہاں اس کی آنکھ اشک بار ہو جاتی ہے۔ جہاں موسیٰ مصلیٰ کی برفوں میں منشی کی لاش نظر آتی ہے، جہاں حلیمہ کی آہیں محسوس ہوتی ہیں۔ جہاں موسیٰ مصلیٰ کا ہر درخت سرنگوں اور سوگوار ہوتا ہے۔ جہاں درشی کے جنگل میں طیور کوکتے نہیں بلکہ آہ وزاری کرتے ہیں۔ قینچی احمد حسین مجاہد کا ایک عجب شاہکار ہے۔ احمد حسین مجاہد نے اپنے برش سے کینوس پر قینچی کی صورت میں ایسے رنگ بکھیرے ہیں جو قریب سے انسان کو اور زیادہ مسحور کرتے ہیں، اپنے سحر میں اور بھی زیادہ جکڑتے ہیں۔ احمد حسین مجاہد نے اس شاہکار کو مثنوی میں لکھ کر معجزہ کی شکل دی ہے۔

(سید رحمٰن شاہ، روزنامہ 'آفتاب' لاہور۔ ۵ جنوری ۲۰۲۰ء)